ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 476

Program: B.A

Semester: Autumn 2026

WhatsApp Orders: +92 324 5836626

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کورس: فلسفہ شریعتِ اسلام (476) • سطح: بی اے

سمسٹر: خزاں 2026ء

امتحانی مشق نمبر 2

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر: 40

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

(مطالعہ و حوالہ کے لیے)

AIOU LIBRARY aioulibrary.com

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کا مطالعہ کریں اور جوابات اپنے الفاظ میں لکھیں، تاکہ اصل امتحانی مشق میں ان کی اپنی سمجھ اور تحریر جھلکے۔

سوال نمبر 1: توزع الناس فی کیفیۃ تحصیل السعادۃ (20 نمبر)

سوال نمبر 1: توزع الناس فی کیفیۃ تحصیل السعادۃ پر نوٹ لکھیں۔ (20)

تعارف

ہر انسان فطرتاً سعادت یعنی حقیقی خوشی، اطمینان اور کامیابی کی تلاش میں ہے، مگر اس سعادت تک پہنچنے کی راہ کے بارے میں لوگوں کے راستے جدا جدا ہیں۔ حجۃ اللہ البالغہ میں شاہ ولی اللہ نے اسی انسانی تقسیم کا بیان کیا ہے کہ سعادت حاصل کرنے کی کیفیت و طریقے میں لوگ کس طرح بٹے ہوئے ہیں: کوئی لذتوں کے پیچھے دوڑتا ہے، کوئی جاہ و اقتدار کو مقصد بناتا ہے، کوئی علم و حکمت کو اور کوئی اپنے رب کی قربت کو۔ یہ تقسیم اتفاقی نہیں بلکہ انسان کی جبلت، استعداد اور اس کے تصورِ سعادت کا نتیجہ ہے۔

اس نوٹ میں پہلے اس توزع (تقسیم) کی بنیاد بیان ہو گی، پھر لوگوں کے بڑے طبقات اور ان کے طریقے تفصیل سے آئیں گے، آخر میں یہ دکھایا جائے گا کہ شاہ صاحب کے نزدیک سعادت کے حصول کا درست اور کامل طریقہ کیا ہے اور باقی راہیں کس حد تک ناقص ہیں۔

تقسیم کی بنیاد: تصورِ سعادت اور انسانی استعداد

لوگوں کے راستے اس لیے الگ ہوتے ہیں کہ ان کے ذہن میں سعادت کی تصویر الگ الگ ہوتی ہے۔ جس شخص کی نگاہ جسمانی لذتوں تک محدود ہے وہ مال جمع کرنے اور خواہشات پوری کرنے کو زندگی کی معراج سمجھتا ہے؛ جس کی طبیعت میں قوتِ غضبیہ غالب ہے وہ فتح، حکومت اور لوگوں پر غلبے کو کامیابی جانتا ہے؛ جس میں عقل کا شوق غالب ہے وہ علم و تحقیق میں سکون ڈھونڈتا ہے؛ اور جس کی روح بیدار ہے وہ سکون صرف قربِ الٰہی میں پاتا ہے۔ اس طرح طریقے کا اختلاف اصل میں ہدف کے اختلاف سے پیدا ہوتا ہے۔

دوسری بنیاد استعداد کا فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو خاص صلاحیت دی ہے، اور ہر شخص اپنی صلاحیت کے میدان ہی میں بڑھ سکتا ہے۔ شاہ ولی اللہ کے نزدیک شریعت نے اسی تقسیم کو پیشِ نظر رکھ کر سعادت کا ایسا جامع راستہ مقرر کیا ہے جس میں ہر استعداد کے انسان کے لیے جگہ موجود ہے: جسمانی ضروریات کی جائز تکمیل، معاشرتی عزت کا جائز حصول، علم کی طلب اور عبادت و تعلق باللہ — چاروں چیزیں ایک متوازن نظام میں جمع کر دی گئی ہیں، تاکہ کسی طبقے کو اپنی سعادت دین سے باہر نہ ڈھونڈنی پڑے۔

پہلا طبقہ: اہلِ لذت اور اہلِ دنیا

لوگوں کا سب سے بڑا طبقہ وہ ہے جو سعادت کو حسی لذتوں میں تلاش کرتا ہے: کھانا پینا، مال و جائیداد، شہرت کی چاہت اور خواہشات کی تکمیل اس کے نزدیک زندگی کی اصل کامیابی ہے۔ اس طبقے کا طریقہ یہ ہے کہ ہر وہ ذریعہ اختیار کیا جائے جس سے دنیوی آرام بڑھے؛ اس کے لیے محنت بھی ہوتی ہے، منصوبہ بندی بھی، مگر نگاہ موجودہ دنیا سے آگے نہیں بڑھتی۔ شاہ صاحب کی نظر میں اس طریقے کی خرابی یہ ہے کہ [illegible] بڑھتا رہے؛ جتنی ملتی ہے اتنی ہی طلب بڑھتی ہے، اور موت ایک لمحے میں سارا سرمایہ چھین لیتی ہے۔

تاہم شاہ صاحب دنیوی ضروریات کی تکمیل کو بذاتِ خود برا نہیں کہتے؛ اسلام نے کھانے پینے اور رزقِ حلال کو نعمت قرار دیا ہے۔ خرابی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب لذت مقصد بن جائے اور آخرت فراموش ہو جائے۔ اس طبقے کے لیے شریعت کا علاج یہ ہے کہ جائز لذتوں کو حدود میں رکھا جائے، شکر کی عادت ڈالی جائے اور موت و آخرت کی یاد سے دل کو اس فانی دنیا کی محبت میں غرق ہونے سے بچایا جائے۔ یوں یہ طبقہ بھی درجہ بدرجہ سعادتِ حقیقی کی طرف بڑھ سکتا ہے۔

دوسرا طبقہ: اہلِ غلبہ و ریاست اور اہلِ علم و حکمت

دوسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو سعادت کو جاہ و اقتدار میں ڈھونڈتے ہیں: قیادت، حکومت، لوگوں کی نظروں میں بڑائی اور اپنے نام کا رواج ان کی زندگی کا محور ہوتا ہے۔ ان کا طریقہ سیاست، انتظامی صلاحیت اور اثر و رسوخ کے ذریعے بڑا بننا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ریاست و انتظام ایک معاشرتی ضرورت ہے اور عدل کے ساتھ حکومت عبادت بھی بن سکتی ہے، مگر جب غلبہ بذاتِ خود ہدف بن جائے تو ظلم، تکبر اور حریفوں کو کچلنے کی عادت پیدا ہوتی ہے اور سعادت اس قید خانے میں بھی ہاتھ نہیں آتی جہاں ہر وقت مقام کھو جانے کا خوف لگا رہے۔

تیسرا طبقہ اہلِ علم و حکمت کا ہے جو ذہنی کمال کو سعادت سمجھتا ہے: معرفت، تحقیق، فلسفے کے مسائل اور علوم میں مہارت اس کی لذت ہے۔ یہ طبقہ پچھلے دونوں سے بلند ہے، کیونکہ علم انسان کو فہم و بصیرت دیتا ہے، مگر محض نظری علم بھی کامل سعادت نہیں دے سکتا؛ عالم کا علم جب عمل اور خشیت سے خالی ہو تو وہ حجاب بن جاتا ہے۔ شاہ ولی اللہ کے نزدیک علم کی معراج یہ ہے کہ وہ انسان کو اپنے رب کی معرفت اور اس کی اطاعت تک پہنچائے، ورنہ اطلاعات کا انبار دل کی بے اطمینانی دور نہیں کر سکتا۔

چوتھا طبقہ: اہلِ قرب وعبادت اور کامل راستہ

چوتھا طبقہ وہ ہے جو سعادت کو اللہ تعالیٰ کے قرب اور اس کی رضا میں تلاش کرتا ہے۔ اس طبقے کا طریقہ عبادت، ذکر، اخلاص، تزکیہ نفس اور مخلوق کی خدمت ہے۔ یہ لوگ دنیا کو بھی برتتے ہیں مگر دنیا کو دل میں جگہ نہیں دیتے؛ ان کے نزدیک رزق، اہل وعیال اور معاشرتی ذمہ داریاں بھی اسی بڑی منزل کے راستے کے پڑاؤ ہیں۔ شاہ ولی اللہ اسی راستے کو کامل قرار دیتے ہیں، کیونکہ روح کی سعادت روحی غذا ہی سے مل سکتی ہے اور انسان کی اصل حاجت اپنے خالق سے تعلق ہے۔

شریعت نے جو نظام دیا ہے وہ دراصل اسی چوتھے راستے کو سب کے لیے سہل بناتا ہے: نماز میں پانچ بار قرب کا دروازہ کھولتی ہے، روزہ خواہش پر قابو سکھاتا ہے، زکاۃ مال کی محبت توڑتی ہے، حج زندگی بھر کی محبت کا اظہار ہے۔ ساتھ ہی شریعت نے رہبانیت کی ممانعت کر کے یہ واضح کر دیا کہ سعادت دنیا چھوڑ کر جنگلوں میں نہیں بلکہ ذمہ داریوں کے درمیان رہ کر اعتدال سے ملتی ہے۔ یوں شاہ صاحب کا خلاصہ یہ ہے کہ لوگ جس طرح مختلف راہوں میں بٹے ہوئے ہیں، اسلام نے ان سب کو ایک متوازن راستے پر لا کر کھڑا کر دیا ہے جس میں ہر جبلت کو اس کا حق اور روح کو اس کا اصل مقام ملتا ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ تخلیقِ سعادت کے طریقوں میں لوگوں کا توزع ان کے تصورِ سعادت اور جبلتوں کا نتیجہ ہے: اہلِ لذت مادی آرام میں، اہلِ ریاست غلبے میں، اہلِ علم ذہنی کمال میں اور اہلِ قرب اللہ کی رضا میں سعادت ڈھونڈتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ کے نزدیک پہلی تین راہیں ناقص اور غیر مستقل ہیں، جب کہ اسلام کا دیا ہوا متوازن نظام ہی کامل راستہ ہے جس میں جسم، عقل اور روح تینوں کو ان کا حق ملتا ہے۔ طالب علم کے لیے اس مبحث کا پیغام یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کا ہدف جانچے: جس چیز کو وہ سعادت سمجھ کر دوڑ رہا ہے، کیا وہ موت کے بعد بھی ساتھ دے گی؟ اسی سوال کا جواب اس کی راہ درست کر دیتا ہے۔

سوال نمبر2: آداب المعاش(20نمبر)

سوال نمبر2: حجۃ اللہ البالغہ کی روشنی میں آداب المعاش پر نوٹ لکھیں۔(20)

تعارف

"معاش" سے مراد زندگی گزارنے کا ڈھنگ اور روزی ورہن سہن کا نظام ہے، اور "آداب المعاش" ان طور طریقوں اور شائستگیوں کو کہتے ہیں جن سے انسانی زندگی تہذیب یافتہ، پرسکون اور باوقار بنتی ہے۔ حجۃ اللہ البالغہ میں شاہ ولی اللہ نے ارتفاقات کی بحث میں بیان کیا ہے کہ انسان کی اجتماعی زندگی کے مراحل میں سے ایک مرحلہ یہ ہے کہ جب بنیادی ضروریات پوری ہونے لگیں تو زندگی میں آداب و تہذیب کی ضرورت پیدا ہوتی ہے؛ کھانا کس طرح کھایا جائے، لباس کیسا ہو، گفتگو کیسے ہو، مہمان کی دلداری کیسے ہو، یہ سب دین سے باہر کی چیزیں نہیں بلکہ شریعت کی عطا کردہ تہذیب کا حصہ ہیں۔

اس نوٹ میں آداب المعاش کی اہمیت، روزمرہ زندگی کے بڑے شعبوں — خوراک، لباس، رہائش، گفتگو و معاشرت اور کسب و خرچ — کے آداب اور ان کی حکمتوں پر روشنی ڈالی جائے گی۔

آداب المعاش کی اہمیت و مقام

انسان اور حیوان میں ایک بڑا فرق یہ بھی ہے کہ حیوان ضرورت کے تحت کھاتا پیتا اور رہتا ہے، جبکہ انسان اپنی ضرورتوں کو خوبصورت اور باوقار انداز سے پورا کرتا ہے۔ شاہ ولی اللہ کے نزدیک آداب روح کی تہذیب کا ظاہری عکس ہیں؛ جو قوم کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے اور میل جول میں مہذب ہو، اس کے باطن میں بھی نظم و ضبط پیدا ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی سنت عملی زندگی کی ہر چھوٹی سے چھوٹی چیز میں آداب سکھاتی ہے: دائیں ہاتھ سے کھانا، بسم اللہ کہنا، مل کر کھانا، صاف لباس پہننا، خوشبو لگانا، سلام کو عام کرنا — یہ سب دراصل ایک ہی تہذیبی نظام کی کڑیاں ہیں۔

آداب کی اہمیت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ معاشرت کا سکون آداب ہی سے قائم رہتا ہے۔ بدتمیزی، گندگی، بے ترتیبی اور بدکلامی سے دلوں میں نفرت پیدا ہوتی ہے، جب کہ حسنِ سلوک، صفائی اور شائستگی سے محبت و اعتماد بڑھتا ہے۔ اس لیے شریعت نے آداب کو محض پسندیدہ رسم نہیں سمجھا بلکہ ان میں سے بہت سے آداب کو عبادت کا درجہ دیا ہے؛ مسلمان کی نماز کے ساتھ اس کا روزمرہ معمول بھی اس کے دین کی پہچان بن جاتا ہے۔

خوراک، لباس اور رہن سہن کے آداب

کھانے پینے کے آداب میں شریعت نے اعتدال کو مدار بنایا ہے: حلال و طیب غذا، بسم اللہ سے آغاز، اپنے سامنے سے کھانا، کھانا ضائع نہ کرنا، پیٹ کو تین حصوں میں رکھنا اور کھانے کے بعد اللہ کا شکر۔ ان آداب کی حکمت دوہری ہے: جسمانی صحت بھی محفوظ رہتی ہے اور روح میں قناعت و شکر بھی جنم لیتا ہے۔ اس کے مقابلے میں اسراف و فضول خرچی، دکھاوے کی دعوتیں اور حرام غذا سے منع کیا گیا ہے، کیونکہ یہ چیزیں بدن کو بیماری اور دل کو سختی دیتی ہیں۔

لباس کے آداب میں ستر پوشی، صفائی، سادگی اور موقع کی مناسبت بنیادی اصول ہیں۔ لباس نعمتِ الٰہی ہے جس پر شکر کرنا چاہیے، لیکن اسے فخر و تکبر کا ذریعہ بنانے سے روکا گیا ہے۔ مرد و عورت کے لیے شائستگی کی حدیں مقرر کر کے حیا کی حفاظت کی گئی ہے۔ رہن سہن میں بھی صفائی، پڑوسی کے حق کا خیال، گھر میں سلام کر کے داخل ہونا، اہلِ خانہ کے ساتھ نرمی جیسے آداب گھریلو زندگی کو جنت کا نمونہ بنا دیتے ہیں۔ یہ تمام آداب مل کر ظاہر کرتے ہیں کہ اسلام کے نزدیک زندگی کا کوئی گوشہ دین کی راہنمائی سے خالی نہیں۔

گفتگو و معاشرت کے آداب

انسانی تعلقات کی بنیاد گفتگو ہے، اس لیے آداب المعاش میں زبان کے آداب کو مرکزی مقام حاصل ہے: سچ بولنا، نرم لہجہ اختیار کرنا، مجلس میں بات سننا، چغلی و غیبت سے بچنا، مذاق میں بھی جھوٹ و دل آزاری سے پرہیز کرنا اور سلام کو عام کرنا۔ شاہ ولی اللہ کی نظر میں ان آداب کی حکمت یہ ہے کہ معاشرے میں دلوں کا ربط قائم رہے، کیونکہ جسموں کے ارتفاق سے زیادہ اہم دلوں کا ارتفاق ہے۔ ایک تلخ جملہ برسوں کی محبت ختم کر سکتا ہے اور ایک میٹھا بول ٹوٹے ہوئے دل کو جوڑ سکتا ہے۔

معاشرتی آداب میں مہمان نوازی، عیادت، جنازے میں شرکت، مبارکباد و تعزیت، بڑوں کا احترام، چھوٹوں پر شفقت اور وعدے کی پابندی شامل ہے۔ یہ آداب محض رسمیں نہیں؛ یہ وہ چکناہٹ ہے جو معاشرتی مشینری کو ٹوٹنے نہیں دیتی۔ اسلام نے ان میں سے بہت سے اعمال کو صدقے اور عبادت کے ثواب سے جوڑا ہے، تاکہ انسان دنیوی تعلقات کو بھی آخرت کا سرمایہ بنا سکے۔ جس بستی میں یہ آداب زندہ ہوں، وہاں عدالتیں کم اور محبتیں زیادہ کام کرتی ہیں۔

کسب و خرچ کے آداب اور حکمتِ کلی

معاش کا ایک بڑا شعبہ روزی کمانا اور خرچ کرنا ہے۔ اس کے آداب یہ ہیں کہ کسب حلال ذرائع سے ہو، کام میں امانت و دیانت ہو، ناپ تول میں انصاف ہو، مزدور کو اس کا حق پسینہ خشک ہونے سے پہلے دیا جائے، اور خرچ میں میانہ روی اختیار کی جائے: نہ کنجوسی کہ اہلِ خانہ تنگ رہیں نہ اسراف کہ آدمی مقروض و رسوا ہو۔ تجارت و لین دین کی یہ اخلاقی پابندیاں معاش کو عبادت بنا دیتی ہیں، چنانچہ سچا تاجر قیامت کے دن صدیقین و شہداء کے ساتھ ہونے کی خوشخبری پاتا ہے۔

ان تمام آداب کی کلی حکمت شاہ صاحب کے اصول سے سمجھ میں آتی ہے کہ شریعت انسان کے بہیمی پہلو کو دبانے اور ملکی (روحانی) پہلو کو غالب کرنے آئی ہے۔ بے ترتیبی، گندگی، بدکلامی اور فضول خرچی بہیمیت کے مظاہر ہیں، جبکہ نظم، صفائی، شائستگی اور اعتدال روحانیت کے مظاہر ہیں۔ آدابُ المعاش اسی جنگ میں روزانہ کی مشق ہیں: ہر کھانا، ہر ملاقات اور ہر لین دین انسان کو یا تو اپنے نفس کی تربیت کی طرف لے جاتا ہے یا بے ادبی کی دلدل میں۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ علم نے کہا ہے کہ دین سارے کا سارا ادب ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ آدابُ المعاش شاہ ولی اللہ کی تشریح میں دین کا عملی و تہذیبی چہرہ ہیں: خوراک، لباس، رہائش، گفتگو، معاشرت اور کسب و خرچ، زندگی کے ہر شعبے میں شریعت نے حیا، صفائی، اعتدال، نرمی اور امانت کے اصول دیے ہیں۔ ان آداب سے انفرادی شخصیت سنورتی ہے، گھر پُرسکون ہوتا ہے اور معاشرہ محبت و اعتماد سے بندھتا ہے۔ طالب علم کے لیے اس مبحث کا سبق یہ ہے کہ وہ دین کو صرف چند عبادات تک محدود نہ سمجھے بلکہ اپنی پوری طرزِ زندگی کو سنت کے آداب سے آراستہ کرے، کیونکہ مہذب معاش یہی زندگی ہے جس میں انسان اپنے خالق کا بھی حق ادا کرتا ہے اور مخلوق کا بھی۔

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com

سوال نمبر 3: باب التوحید (20 نمبر)

سوال نمبر 3: حجۃ اللہ البالغہ کی روشنی میں باب التوحید پر نوٹ لکھیں (20)

تعارف

توحید دینِ اسلام کی بنیاد اور تمام انبیاء کی دعوت کا مرکز ہے۔ حجۃ اللہ البالغہ میں شاہ ولی اللہ نے "باب التوحید" کے عنوان سے اس عقیدے کی اس قدر جامع اور منظم تشریح کی ہے کہ علما نے اسے اس کتاب کے اہم ترین ابواب میں شمار کیا ہے۔ شاہ صاحب نے توحید کو صرف "اللہ ایک ہے" کے اجمالی اقرار تک محدود نہیں رکھا بلکہ اس کے مراتب، دلائل، مشرکین کی اصل غلطی اور توحید کے عملی تقاضے اس طرح کھولے ہیں کہ ایک عام طالب علم بھی سمجھ سکتا ہے کہ شرک کس کس درجے میں سرایت کرتا ہے اور خالص توحید کیسے محفوظ رہتی ہے۔

اس نوٹ میں توحید کے مفہوم، شاہ صاحب کے بیان کردہ چار مراتب، مشرکینِ عرب کی گمراہی کا تجزیہ اور توحید کے ثمرات پیش کیے جائیں گے۔

توحید کا مفہوم اور اس کی بنیاد

توحید کا معنی اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات، صفات، افعال اور عبادت میں یکتا ماننا ہے: کوئی اس کا شریک نہیں، کوئی اس کے برابر نہیں اور ساری مخلوق اس کی محتاج ہے۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ توحید محض کتابوں کی بات نہیں بلکہ انسانی فطرت میں ودیعت کردہ سچائی ہے؛ غیر متاثر فطرت خود بخود اسی نتیجے تک پہنچتی ہے کہ اس منظم کائنات کا بنانے اور چلانے والا ایک ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مشرک قومیں بھی اصل خالق کے وجود میں اللہ ہی کو مانتی تھیں، ان کی گمراہی آگے کے درجوں میں پیدا ہوئی، جس کی تفصیل مراتب کے بیان میں آئے گی۔

قرآن مجید نے توحید کو "کلمہ طیبہ" اور پورے دین کی جڑ قرار دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب بنیاد درست ہو تو عبادات، اخلاق اور معاملات سب درست ہو جاتے ہیں، اور جب بنیاد میں شرک کی آمیزش ہو تو بڑے بڑے اعمال بھی رائیگاں ہو جاتے ہیں۔ شاہ صاحب کی دور اندیشی یہ ہے کہ انہوں نے توحید کی بحث میں اس نکتے کو بھی واضح کیا کہ علم کی کمزوری اور رسم و تقلید کا غلبہ ہی وہ دو دروازے ہیں جن سے امتوں میں شرک داخل ہوتا ہے؛ تعظیم کے جذبے کو حدود سے بڑھا دینا ہی رفتہ رفتہ بندے کو معبود کے درجے تک لے جاتا ہے۔

توحید کے چار مراتب

شاہ ولی اللہ نے توحید کو سمجھنے اور شرک کی جگہ متعین کرنے کے لیے اس کے چار مراتب بیان کیے ہیں۔ پہلا مرتبہ: اللہ کے سوا کوئی واجب الوجود نہیں؛ وجود کی حقیقی اور لازمی حیثیت صرف اسے ہے، باقی سب اس کے دیے ہوئے وجود سے موجود ہیں۔ دوسرا مرتبہ: آسمانوں اور زمین کا خالق صرف اللہ ہے؛ تخلیق کسی اور کے بس کی بات نہیں۔ تیسرا مرتبہ: کائنات کی تدبیر و تصرف صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے؛ عزت، ذلت، نفع، نقصان، زندگی و موت کا اصل مالک وہی ہے۔ چوتھا مرتبہ: عبادت کے لائق صرف اللہ ہے؛ سجدہ، دعا، نذر، قربانی اور التجا اسی کے لیے خاص ہیں۔

اس تقسیم کی خوبصورتی یہ ہے کہ پہلے تین مراتب کا اقرار تو عرب کے مشرک بھی کرتے تھے، قرآن نے خود بیان کیا کہ ان سے پوچھو زمین و آسمان کس نے بنائے تو کہتے ہیں اللہ نے؛ پوچھو روزی کون دیتا ہے تو کہتے ہیں اللہ۔ ان کی اصل لغزش چوتھے مرتبے میں تھی: عبادت، دعا اور قربت کے لیے انہوں نے بتوں اور بزرگوں کو واسطہ بنا کر ان کے حضور وہی اعمال شروع کر دیے جو خالص اللہ کے لیے تھے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ آج بھی شرک اسی چوتھے مرتبے سے پیدا ہوتا ہے: اللہ کو خالق و مالک ماننے کے باوجود حاجت روائی، مشکل کشائی اور عبادت کے اعمال غیر اللہ کی طرف پھیر دینا ہی وہ بیماری ہے جس کی اصلاح کے لیے انبیاء آئے۔

مشرکین کی غلطی کا نفسیاتی تجزیہ

شاہ ولی اللہ محض حکم بیان نہیں کرتے بلکہ گمراہی کی نفسیات بھی کھولتے ہیں۔ ان کی تشریح کے مطابق شرک کی ابتدا عموماً محبت و تعظیم سے ہوتی ہے: قوم اپنے بزرگوں، نبیوں اور اولیاء سے محبت کرتی ہے، پھر ان کی تصاویر و مزارات کو تعظیم کا مرکز بناتی ہے، پھر رفتہ رفتہ عقیدہ بدلتا ہے کہ یہ بزرگ خود سننے، دینے اور بگاڑنے کی قدرت رکھتے ہیں، اور آخر میں وہی چیزیں عبادت بن جاتی ہیں جو کبھی محبت کے اظہار تھیں۔ قومِ نوحؑ کے بتوں کی تاریخ اسی تدریج کی مثال ہے۔

دوسرا دروازہ تاثیرات کا غلط عقیدہ ہے: ستاروں، جنات یا ارواح کو اللہ کے نظام سے الگ مستقل مؤثر سمجھ لینا۔ شاہ صاحب واضح کرتے ہیں کہ اسلام اسباب و واسطوں کا انکار نہیں کرتا؛ فرشتے بھی ہیں، دعائیں بھی قبول ہوتی ہیں، بزرگوں کا فیض بھی حق ہے، مگر مؤثرِ حقیقی اور حاجت روا صرف اللہ ہے۔ واسطے کو مستقل فاعل سمجھنا شرک ہے اور واسطے کو بالکل بے معنی سمجھنا بھی ایک انتہا ہے۔ یہی اعتدال باب التوحید کا حاصل ہے جو ہر دور کے طالب علم کو افراط و تفریط سے بچاتا ہے۔

توحید کے ثمرات و برکات

خالص توحید کے ثمرات انفرادی زندگی میں واضح نظر آتے ہیں: موحد کا دل مخلوق کے خوف سے آزاد ہو جاتا ہے، اس کی امید ایک ہی در سے بندھتی ہے، اور وہ خوشامد و ذلت سے بچ جاتا ہے۔ یہی عقیدہ انسان کو شجاعت، استقامت اور خودداری عطا کرتا ہے، کیونکہ جو یہ سمجھے کہ رزق، عزت اور زندگی اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ انسانوں کے سامنے نہیں جھکتا۔ آخرت میں توحید نجات کی کلید ہے؛ حدیث میں ہے کہ جس نے خالص دل سے اللہ کو ایک مانا، جنت اس کے لیے واجب ہو جاتی ہے۔

اجتماعی سطح پر توحید پوری انسانیت کو ایک سطح پر لے آتی ہے: جب معبود ایک ہو تو انسانوں کے درمیان ذات پات اور خدائی دعوے ختم ہو جاتے ہیں، بادشاہ و فقیر ایک ہی صف میں کھڑے ہو جاتے ہیں، اور معاشرے میں عدل کی بنیاد قائم ہوتی ہے۔ شاہ ولی اللہ کے نزدیک مسلمانوں کی اجتماعی کمزوریوں کا ایک بڑا سبب بھی یہی ہے کہ توحید عملی زندگی سے نکل کر صرف کتابی بحث بن گئی ہے۔ باب التوحید کا مطالعہ طالب علم کو اسی طرف بلاتا ہے کہ عقیدہ زبان سے نکل کر دل کے یقین اور عمل کی صورت اختیار کرے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ کا باب التوحید توحید کے چار مراتب ــــ واجب الوجود ہونے، خالق ہونے، مدبر ہونے اور معبود ہونے میں اللہ کی یکتائی ــــ کی وہ منظم تشریح ہے جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ مشرکین کی اصل غلطی عبادت و تدبیر کے مرتبے میں تھی۔ شرک محبت و تعظیم کی حد سے تجاوز اور واسطوں کو مستقل مؤثر سمجھنے سے جنم لیتا ہے، جب کہ خالص توحید انسان کو دل کی آزادی، اخلاق کی بلندی اور آخرت کی نجات عطا کرتی ہے۔ طالب علم کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے عقیدے کو انہی مراتب کی کسوٹی پر پرکھے، اپنی دعا، نذر، خوف و امید کا رخ ایک اللہ کی طرف رکھے، یہی اس مبحث کا اصل مقصد ہے۔

AIOU LIBRARY aioulibrary.com

سوال نمبر 4: الرسوم السائدۃ فی الناس (20 نمبر)

سوال نمبر 4: حجۃ اللہ البالغہ کی روشنی میں الرسوم السائدۃ فی الناس پر نوٹ لکھیں۔ (20)

تعارف

"الرسوم السائدۃ فی الناس" سے مراد وہ رسوم و رواج ہیں جو کسی معاشرے میں نسل در نسل رائج ہو کر لوگوں کی زندگی کا جزو بن جاتے ہیں: شادی بیاہ کے طریقے، خوشی و غم کے اظہار کی شکلیں، لباس و طعام کی عادات، مہمان نوازی و تعزیت کے طور طریقے۔ شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اس موضوع کو مستقل حیثیت دی ہے، کیونکہ شریعت کا بڑا حصہ دراصل انسانی رسوم سے متعلق ہے: کچھ رسموں کو شریعت نے برقرار رکھا، کچھ کو اصلاح کر کے درست کیا، اور کچھ کو قطعاً ختم کر دیا۔

اس نوٹ میں رسم کی حقیقت و طاقت، رسوم کی اقسام، شریعت کا رسوم سے متعلق منہج اور اس موضوع کی عصری اہمیت بیان کی جائے گی۔

رسم کی حقیقت اور معاشرتی طاقت

رسم دراصل اجتماعی عادت کا نام ہے جو بار بار کے عمل سے اس قدر پختہ ہو جاتی ہے کہ لوگ اسے فطرت ثانیہ سمجھنے لگتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ کے نزدیک رسم کی طاقت قانون سے بھی زیادہ ہوتی ہے، کیونکہ قانون کی خلاف ورزی پر سزا کا خوف ہوتا ہے جبکہ رسم کی خلاف ورزی پر معاشرے کی پھٹکار، بدنامی اور رشتوں کے ٹوٹنے کا خطرہ ہوتا ہے، جس سے انسان سب سے زیادہ ڈرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جاہلی رسوم کے سامنے کھڑا ہونا انبیاء کے لیے سب سے مشکل مرحلہ ہوتا تھا اور آباؤ اجداد کی تقلید ہی ہر نبی کی قوم کا سب سے بڑا جھگڑا تھا: "ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی راہ پر پایا۔"

رسوم کی ایک اور حقیقت یہ ہے کہ وہ خالی خولی نہیں ہوتیں؛ ہر رسم کے پیچھے کوئی تاریخی وجہ، معاشرتی مصلحت یا نفسیاتی محرک ہوتا ہے۔ بعض رسوم ضرورتوں سے جنم لیتی ہیں، بعض نمود و نمائش سے اور بعض مذہبی جذبات سے۔ اصلاح کار کی کامیابی کی کنجی یہ ہے کہ وہ رسم کی جڑ اور اس کے محرک کو سمجھے؛ محض سطحی ممانعت سے رسم ختم نہیں ہوتی بلکہ دوسرے نام سے لوٹ آتی ہے۔ شاہ ولی اللہ کی اصل بصیرت اسی مقام پر ظاہر ہوتی ہے۔

رسوم کی اقسام

شاہ صاحب کی تشریح کے مطابق رائج رسوم کو تین بڑی قسموں میں بانٹا جا سکتا ہے۔ پہلی قسم وہ رسوم ہیں جو انسانی فطرت اور ارتفاقات کی درست خدمت کرتی ہیں، جیسے مہمان نوازی، باہمی ہدیہ تحائف، خوشی میں شریک ہونا اور جنازے و تعزیت کا اہتمام۔ ان رسموں میں اخلاق کی روح موجود ہوتی ہے اور یہ معاشرے کو جوڑتی ہیں۔ دوسری قسم وہ رسوم ہیں جو اصل میں درست تھیں مگر ان میں اسراف، دکھاوا، بے حیائی یا ظلم کی آمیزش ہو گئی؛ جیسے شادی کی خوشی منانا درست، مگر اس میں فحش محفلیں، قرض لے کر نمائش اور لڑکی والوں پر بار ڈالنا خرابی کی صورتیں ہیں۔

تیسری قسم وہ رسوم ہیں جو بنیاد ہی سے باطل ہیں: بت پرستی کے مراسم، فال گیری و کہانت، میت پر نوحہ و ماتم کی جاہلی صورتیں، مردوں کے نام پر نذر و نیاز کی شرکیہ شکلیں اور ذات پات کی تفریق۔ ان رسوم کی کوئی اصلاح ممکن نہیں، ان کا خاتمہ ہی علاج ہے۔ اس تقسیم سے شریعت کے منہج کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے کہ وہ رسم کے عنوان سے نہیں، اس کے اندر موجود مصلحت و مفسدت کو دیکھ کر فیصلہ کرتی ہے۔

شریعت کا رسوم کے ساتھ منہج

شریعت کا منہج رسوم کے بارے میں تین اصولوں پر چلتا ہے۔ پہلا اصل: جو رسم فطرت و مصلحت کے مطابق ہو اسے برقرار رکھنا بلکہ اسے اخلاقی ثواب سے جوڑ دینا، جیسے نبی کریم ﷺ نے عرب کی مہمان نوازی اور عہد کی پابندی جیسی اچھی رسموں کو دین کا حصہ بنا دیا۔ دوسرا اصل: ملی جلی رسم کی اصلاح؛ جیسے قربانی اور حج کی بعض صورتیں سابقہ دینوں و عرب کے رواج میں موجود تھیں، اسلام نے ان کی روح درست کی، شرکیہ آمیزش نکالی اور انہیں توحید کے پیغام سے جوڑ دیا۔

تیسرا اصل: باطل رسم کا قطعی خاتمہ، جیسے بتوں کی عبادت، تبنی (منہ بولے بیٹے) کو حقیقی بیٹا سمجھنا، ظہار اور جاہلی طلاق کی ظالمانہ صورتیں، اور وراثت میں عورتوں و بچوں کو محروم رکھنے کا رواج۔ یہاں ایک اہم تدبیر بھی نمایاں ہے: ممانعت عموماً تدریج سے آئی اور متبادل بھی دیا گیا؛ شراب کی حرمت مراحل میں آئی، سود کو روک کر صدقے و قرضِ حسنہ کی راہ کھولی گئی۔ اس سے داعی و مصلح کے لیے یہ درس ملتا ہے کہ رسموں کے خلاف جنگ میں حکمت، تدریج اور متبادل تینوں ضروری ہیں۔

عصری اہمیت

آج بھی ہمارا معاشرہ رسوم کی گرفت میں ہے: شادیوں میں اسراف و دکھاوے کی دوڑ، جہیز و سنت فضول خرچی والی تقریبات، میت کے ایصالِ ثواب کے نام پر بوجھ بڑھانے والی رسوم، اور مغرب سے آنے والی وہ رسوم جو خاندانی نظام و حیا کو نقصان پہنچائیں۔ شاہ ولی اللہ کا یہ بحث طالب علم کو ایک پیمانہ دیتا ہے: ہر رائج رسم کو اس سوال سے پرکھو کہ اس کی اصل مصلحت کیا ہے، اس میں کس برائی کی آمیزش ہے، اور کیا وہ شریعت کے مقاصد (عدل، رحمت، حیا، اعتدال) کے مطابق ہے یا مخالف؟

ساتھ ہی اس مبحث سے یہ بھی سمجھ آتا ہے کہ رسم سے لڑنا دراصل جہالت سے لڑنا نہیں بلکہ اجتماعی نفسیات کو بدلنا ہے، اس لیے اس کے لیے علم، صبر، عملی نمونہ اور تدریجی اصلاح کی ضرورت ہے۔ جو مصلح رسم کی طاقت کو نظر انداز کرے وہ ناکام رہتا ہے، اور جو رسم کے نام پر ہر برائی کو قبول کر لے وہ دین کا محافظ نہیں رہتا۔ شاہ صاحب کا توازن یہی ہے کہ رسم کو بھیڑ چال کے طور پر نہ مانا جائے نہ بے جا ہڑ سے اڑایا جائے، بلکہ شریعت کی کسوٹی پر پرکھ کر رکھنے، سدھارنے یا چھوڑنے کا فیصلہ کیا جائے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ الرسوم السائدہ انسانی تہذیب کی وہ طاقت ہے جس سے شریعت نے پورا واسطہ رکھا ہے: درست رسموں کو قائم رکھا، ملی جلی رسموں کی اصلاح کی، اور باطل رسموں کو جڑ سے ختم کیا۔ شاہ ولی اللہ کی اس تشریح سے اصلاح کا صحیح منہج معلوم ہوتا ہے کہ رسم کی نفسیات سمجھی جائے، اس کی مصلحت و مفسدت تولی جائے اور تبدیلی حکمت و تدریج سے لائی جائے۔ طالب علم کے لیے حاصلِ کلام یہ ہے کہ وہ اپنے گھر و معاشرے کی رسموں کا غلام نہ بنے بلکہ انہیں اسی کسوٹی پر پرکھے، کیونکہ اچھی رسم دین کی خدمت گار ہے اور بری رسم دین کی راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ۔

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com

سوال نمبر 5: اختلاف الناس فی السعادۃ (20 نمبر)

سوال نمبر 5: حجۃ اللہ البالغہ کی روشنی میں اختلاف الناس فی السعادۃ پر نوٹ لکھیں۔ (20)

تعارف

سعادت یعنی حقیقی و پائیدار خوش نصیبی ہر انسان کی خواہش ہے، مگر یہ سعادت ہے کیا اور کس چیز میں ملتی ہے؟ اس سوال کے جواب میں انسان ہمیشہ سے اختلاف کرتے آئے ہیں۔ حجۃ اللہ البالغہ میں شاہ ولی اللہ نے "اختلاف الناس فی السعادۃ" کے تحت اسی بحث کو لیا ہے کہ مختلف قوموں، فلسفوں اور طبیعتوں نے سعادت کی الگ الگ تشریح کی ہے، اور پھر بتایا ہے کہ ان سب اختلافات کی جڑ کیا ہے اور درست تصور کون سا ہے۔

اس نوٹ میں سعادت کے بڑے تصورات، ان کے اختلاف کے اسباب، شاہ صاحب کی تنقیدی جانچ اور اسلام کے پیش کردہ مکمل تصورِ سعادت کو بیان کیا جائے گا۔

سعادت کے بڑے بڑے تصورات

تاریخی طور پر سعادت کے چند بڑے تصورات سامنے آتے ہیں۔ ایک تصور یہ ہے کہ سعادت لذت و عیش میں ہے: جسم کی راحت، مال کی فراوانی اور خواہشات کی تکمیل ہی خوش نصیبی ہے؛ یہ عام اہلِ دنیا کا نظریہ ہے۔ دوسرا تصور سعادت کو عزت و اقتدار سے جوڑتا ہے: جس کا نام ہو، جس کی دھوم ہو، قوم اسے خوش نصیب سمجھتی ہے؛ یہ سلاطین و اہلِ جاہ کا پیمانہ ہے۔ تیسرا تصور فلسفیوں کا ہے کہ سعادت عقل کے کمال میں ہے: حقائق کی معرفت اور نفس کی تہذیب ہی اصل کامیابی ہے۔

چوتھا تصور زاہدوں و راہبوں کا ہے کہ سعادت دنیا سے کٹ جانے میں ہے: جسم کو مارنا، لذتوں کو حرام سمجھنا اور تنہائی اختیار کرنا۔ پانچواں تصور بعض مادی نظریوں کا ہے کہ سعادت صرف اسی دنیا کی معاشی خوش حالی کا نام ہے، آخرت کا تصور ہی نہیں۔ شاہ ولی اللہ کی دور بینی یہ ہے کہ انہوں نے ہر تصور میں جزوی سچائی تلاش کی: لذت بھی ایک انسانی ضرورت ہے، عزت بھی، علم بھی ایک کمال ہے، اور دنیا کی محبت سے احتیاط بھی ضروری ہے؛ مگر ہر ایک نے جز کو کل بنا لیا، یہی اختلاف کی اصل غلطی ہے۔

اختلاف کے اسباب

شاہ صاحب کے نزدیک اس اختلاف کی کئی وجوہات ہیں۔ پہلی وجہ جبلتوں کا اختلاف ہے: جس قوت کا غلبہ انسان پر ہوتا ہے اسی کے مطابق وہ سعادت کا نقشہ بناتا ہے؛ شہوت غالب ہو تو لذت، غضب غالب ہو تو غلبہ، عقل غالب ہو تو علم۔ دوسری وجہ ماحول و قوم کا مزاج ہے: زرعی قوم قناعت و سادگی کو، تجارتی قوم دولت کو، جنگجو قوم بہادری و حکومت کو بڑی نعمت سمجھتی ہے۔ تیسری وجہ تجربے کی حد ہے: جس نے کبھی روحانی لذت چکھی ہی نہیں وہ اسے سعادت ماننے پر تیار نہیں ہوتا، جس طرح اندھا رنگوں کی خوبصورتی کا اندازہ نہیں کر سکتا۔

چوتھی وجہ دنیا کی ظاہری چکاچوند ہے: مالدار و صاحب اقتدار کی خوش حالی سب کو نظر آتی ہے جبکہ صاحبِ دل کی اندرونی سعادت پوشیدہ ہوتی ہے، اس لیے اکثریت ظاہری پیمانے کی طرف جاتی ہے۔ پانچویں وجہ یہ ہے کہ سعادت کے بارے میں انسان کا فیصلہ موت سے پہلے ادھورا ہے: اگر زندگی کا انجام موت پر ختم ہو جائے تو پیمانہ بدل جاتا ہے، اور اگر موت کے بعد ایک ابدی زندگی ہو تو پیمانہ یکسر اور ہو جاتا ہے۔ اسی لیے اختلاف الناس کا اصل فیصلہ آخرت کے عقیدے سے جڑا ہے، اور یہی وہ مقام ہے جہاں وحی کی راہنمائی ناگزیر ہو جاتی ہے۔

شاہ صاحب کی تنقیدی جانچ

شاہ ولی اللہ نے ہر تصور کو اس کے اپنے میدان میں تولا ہے۔ لذت والا تصور اس لیے ناقص ہے کہ لذت بذاتِ خود غیر مستقل ہے: پیاس بجھتے ہی پانی کی لذت ختم، بیماری آتے ہی تمام عیش ختم، اور موت کے ساتھ تو پورا کھیل ہی ختم ہو جاتا ہے؛ جو چیز خود ختم ہو جانے والی ہو وہ پائیدار سعادت کی بنیاد نہیں بن سکتی۔ عزت و اقتدار والا تصور بھی کمزور ہے کیونکہ یہ دوسروں کی نظر کا محتاج ہے: لوگوں کا مزاج بدلے تو عزت رسوائی میں بدل جاتی ہے۔

علم والا تصور بلند ہے مگر ادھورا ہے: کتنے عالم علم کے باوجود بد اخلاق اور اندر سے مضطرب ہوتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ معرفت تنہا سعادت نہیں، اس کے ساتھ قلب کی صفائی اور عمل کی درستی بھی چاہیے۔ رہبانیت والا تصور فطرت کے خلاف ہے، کیونکہ اللہ نے جن قوتوں اور ضرورتوں کو رکھا ہی نہیں تھا تو شریعت ان کی تکمیل کیوں سکھاتی؟

AIOU LIBRARY aioulibrary.com

اس کا نتیجہ یا تو نفاق نکلتا ہے یا انسانی معاشرہ ہی کی تباہی۔ اس تنقید سے ایک معیار قائم ہوتا ہے: سعادت وہی ہو سکتی ہے جو جسم، عقل اور روح تینوں کی حقیقی تکمیل ہو اور موت کے بعد بھی باقی رہے۔

اسلام کا مکمل تصورِ سعادت

اسلام نے جو تصور پیش کیا ہے وہ ان تمام جزوی سچائیوں کو ایک متوازن وحدت میں جمع کرتا ہے۔ اس تصور کے مطابق سعادت دو حصوں پر مشتمل ہے: دنیا میں اللہ کی رضا کے تحت پر سکون، حلال اور باعزت زندگی، اور آخرت میں اللہ کی خوشنودی و جنت۔ نہ دنیا کو یکسر رد کیا نہ آخرت کو؛ دنیوی زندگی کو آخرت کی کھیتی قرار دے کر ہر عمل کو ابدی کامیابی سے جوڑ دیا گیا۔ اسی لیے مسلمان کی نظر میں ایک مومن مزدور، حلال کمائی اور عبادت کے ساتھ، اس حکم سے سعادت مند ہو سکتا ہے جس کے پاس سب کچھ ہو مگر دل کا سکون نہ ہو۔

اس تصور کی بنیاد قربِ الٰہی ہے: انسان کی روح اسی وقت مطمئن ہوتی ہے جب وہ اپنے مقصدِ تخلیق یعنی عبادت و معرفت کو پالے؛ قرآن کا اعلان "اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ" اسی راز کا خلاصہ ہے۔ شریعت کی عبادات، اخلاق اور معاملات اسی سعادت کے ذرائع ہیں: نماز قرب دیتی ہے، روزہ صبر و قابو دیتا ہے، زکاۃ دل کو بخل سے پاک کرتی ہے، اور حسنِ معاشرت سماجی سکون عطا کرتا ہے۔ شاہ ولی اللہ کے نزدیک یہ اختلافات کا فیصلہ کن جواب ہے کہ سعادت کسی ایک قوت کی تسکین کا نام نہیں بلکہ پوری انسانی فطرت کا اپنے خالق کے حضور درست ہو جانا ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ سعادت کے بارے میں لوگوں کا اختلاف ان کی جبلت، ماحول، تجربے کی حد اور آخرت کے بارے میں مؤقف سے پیدا ہوتا ہے؛ لذت، اقتدار، علم اور رہبانیت ہر ایک نے ایک رخ کو پورا سمجھ لیا۔ شاہ ولی اللہ نے دکھایا کہ ان میں سے کوئی بھی تصور اکیلا مکمل نہیں، اسلام کا دیا ہوا تصور ہی متوازن ہے جس میں دنیا کی حلال خوش

حالی اور آخرت کی ابدی نجات دونوں شامل ہیں اور جس کی کلید اللہ کا قرب ہے۔ طالب علم کے لیے اس مبحث کا پیغام یہ ہے کہ وہ سعادت کے پیمانے دوسروں کی دیکھا دیکھی سے نہ لے، بلکہ وحی کی روشنی میں اپنی زندگی کی منزل طے کرے، کیونکہ پیمانہ غلط ہو تو کامیابی کی دوڑ بھی غلط سمت میں ہوتی ہے۔

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com